

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ازالہ

اظہر فراغ

ازالہ

یاری بوشش : کتاب دوستی، فروغِ ادب

یہ کتاب ازالہ ادینی طبع مجلس وراق نے 2016 میں پھر اک آپ کی خدمت میں بخش کی
اس کتاب کو حاصل کرنے کے راول حصہ سے 0301-6579483 پر راید کیا جاتا ہے
اس کتاب کا کوئی بھی حصہ مصنف یا پڑھکری ابارت کے بغیر کا دباری مقام کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا
اس کتاب کے تمام حقوق ادینی طبع مجلس وراق کے نامہ میں، بغیر ابارت اشاعت کی صورت میں قانونی کارروائی ممکن ہے

ISBN: 978-969-7688-05-0

2016 بارول

250



ادینی طبع مجلس وراق

اشاعت

قیمت

زیراہتمام

دراق ہائی پیشہ



سُلْطانی اور معیاری کتابیں

ادینی طبع مجلس وراق

25 سینئنفلو، تاج آنکھیہ، بالمقابل سروسز ہپٹال لاہور

042-36525005

ترتیب

- یہ مرحلہ ہے طلب کا نصیب کا نہیں ہے نعت
- بھلے کوئی بھی نہ تیار ہو وہاں ہو جاؤ سلام
- کسیے دنیا کا جائزہ لیا جائے
- باغ سے جو لوے اتر گئے
- اچھے نامے لوگوں پر بھی وقت اک ایسا آجاتا ہے
- وہ جو اک شخص مجھے طعنہ جان دیتا ہے
- مٹھہرنا بھی مراجانا شمار ہونے لگا
- تری فضیلت کو اس لئے بھی مرے ہو اے سے جانا جائے
- بخنوں سے یہ جو مجھے باد بان کھینچتا ہے
- تینگی رزق سے ہلاکان رکھا جائے گا کیا
- ملاحوں کا تو بس دانہ پانی ہے
- میں روای دائرے میں رہ گیا ہوں
- ذرا سی دیر ٹھہر کر سوال کرتے میں
- یہ بھی موسم کی کوئی سازش نہ ہو

انتساب

پیارے دوست محمد نعیم خان بھسا بھسہ کے نام

انتساب

دیامریم اور اس کی ماں کے نام

- اٹھر فراغ ازالہ
- پنگ ایک الگ لحاف
 - دوش دیتے رہے بے کاری طغیانی کو
 - یار بجا یار نہیں رہ گئے
 - شب فراق کا منظر نہیں بدلنے دیا
 - ترمیم خال و خدا و سیلہ نہیں رہا
 - رنج انکار اٹھائیں گے نہیں
 - روپڑے عرضِ حال سن کر کیا
 - سارا قرضِ ہنر چکا دیا ہے
 - سر پر کھی ہوئی دستارکشی اور کی تھی
 - ترے بعد کوئی بھی غماڑ نہیں کر سکا
 - مصالحت سے یہ قصہ نمٹ بھی سکتا ہے
 - مجتوں میں نئے طرزِ انتقام کی شام
 - مڑ کے تکتے نہیں پتوار کو لوگ
 - ایک طرف تقسیمِ اضافی ہو سکتی ہے
 - اب بھلے دیکھتا رہے جس کو
 - اسی لیے ترے دعوؤں پر مسکرا رہے ہیں
 - بتار ہا ہے جھٹکنا تری کلائی کا
 - دھوپ میں سایہ بنے تنہا کھڑے ہوتے ہیں
 - ڈرے ہوتے ہیں سمجھی لوگ ابر چھانے سے

- اٹھر فراغ ازالہ
- فکرو جنوں کی بحث ہو یا حرفِ ناقدا نہ ہو
 - گواں کا جرم تو ناقابلِ معافی ہے
 - ہوا کے رخ پر دیا درہ نہیں گیا تھا میں
 - ہماری طرحِ محبت کا فلسفہ سمجھے
 - ہمارے بارے میں تجوہ بھنو کو مغالطہ ہے
 - جو خوشی جو تیری رضا میاں تری خیر ہو
 - جاتے ہوئے نہیں رہا پھر بھی ہمارے دھیان میں
 - کمی ہے کون سی گھر میں دکھانے لگ گئے ہیں
 - کوئی بھی شکل بنا دیں ہمیں اجازت ہے
 - کوئی رستہ نکالنا پڑے گا
 - لگتا تو نہیں الماری سے
 - ایسی خوش قسمتی کا کہیا کچھ
 - کوئی سلسلہ نہیں جاؤ داں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
 - پا پا یہ خلکم کی حالت میں نہیں کرتے
 - بہت ہی ہمینگی مجھے اپنی زندگانی پڑی
 - کوششیں کر کے دل بر اکیا تھا
 - اس لیے مجھ کو میسر تو کہیں بھی نہیں ہے
 - چاہے آغاز اب انجام سے کرنا پڑ جائے
 - اسی منظر کو پھر دوبارہ بنا

- اٹھر فراغ ازالہ
- چیزوں کی طرح دھیان میں رکھا گیا ہے
 - کس کس سے کر کے اس کو خبردار جانے والوں
 - کیوں نہ بے فکر ہو کے سویا جائے
 - ہر شیئے کا ڈر ہے بھیا
 - سوچا ہے کیا معاوضہ سائے کا آپ نے
 - اٹھ گیا زق لا مکاں سے بھی
 - یہی نہیں کہ یہ تعبیر کا معاملہ ہے
 - کیا کچھ نہیں تھا بس میں مگر دل نہیں کیا
 - کتنا کہتے تھے تجھے بھائی سمجھ
 - عینے دن چاہے وہ آ کر یہاں مہمان رہے
 - غاک اب ٹوٹے رشتے میں مضبوطی پہلے والی ہے
 - دیواریں چھوٹی ہوتی تھیں لیکن پردہ ہوتا تھا
 - مل گیا تو مجھے میرا نہیں رہنے دے گا
 - اس لب کی غامشی کے سبب ٹوٹنا ہوں میں
 - وہ جو اک شخص تھا اک ذات تھی ویسے نہیں تھی
 - عمر ہم لوگ کہاں کاٹتے میں
 - کوئی بھی شکل مرے دل میں اتر سکتی ہے
 - ہر شیئے کا ڈر ہے بھیا
 - سب کو تھوڑی مرا یقین آیا

7

8

اٹھر فراغ ازالہ

- نظر کی حد سے نکل کر جمال دیکھنا تھا
- فردیات



یہ مرحلہ ہے طلب کا نصیب کا نہیں ہے
و گرنہ پر مَصْطَفِيٌ مَّا أَنْشَأَهُ کھلا نہیں ہے

نظر سے دل کی مسافت پر ہے مدینہ مجھے
کسی بھی دشت نور دی کافا نہ نہیں ہے

اب اس سے بڑھ کے ہوتینے کیا محبت کی
ترے عدو کو بھی تجوہ سے کوئی گلہ نہیں ہے

یہ راز صرف شناخوان حبانے تیں ترے
سخن کو ہے تری تو صیف کوفنا نہیں ہے

ابھی وہ باب کرم مجھ پر وا ہوا ہی تھا
میں یہ بھی بھول گیا میرے پاس کیا نہیں ہے

ترے سبب سے مرے رابطے میں رہتی ہے
وہ ایک ذات مراجس سے سامنا نہیں ہے

بھلے کوئی بھی نہ تیار ہو وہاں ہو جاؤ
جہاں بھی ظلم سے انکار ہو وہاں ہو جاؤ

بغیر اٹ کے جلتے ہوئے دیے کو سلام
جب اذن ہے جہاں دیوار ہو وہاں ہو جاؤ

یہاں کسی کو مراعات ملنے والی نہیں
اگر زیادہ سمجھدار ہو وہاں ہو جاؤ

ہمارے پاس سوائے دلیل کچھ بھی نہیں
تو جس کے ہاتھ میں تلوار ہو وہاں ہو جاؤ

حسین تیری اطاعت سے ہم نے سیکھا ہے
جہاں بھی راستہ دشوار ہو وہاں ہو جاؤ



باغ سے جھولے اتر گئے
سندر پھرے اتر گئے
وہل کے ایک ہی جھونکے میں
کان سے بالے اتر گئے
گھر میں کس کا پاؤں پڑا
چھت سے جالے اتر گئے
لٹک گئے دیوار سے ہم
سیر ٹھی والے اتر گئے
بھاگوں والی بستی تھی
جہاں پرندے اتر گئے
گاڑی پھر بھی روائ رہی
ہم پڑھی سے اتر گئے

کیسے دنیا کا جائزہ لیا جائے
دھیان تجھ سے اگر ہٹا لیا جائے
تیز آندھی میں یہ بھی کافی ہے
پیڑ تصور میں بچا لیا جائے
یہ خموشی مری خموشی ہے
اس کا مطلب مکالمہ لیا جائے
ایک ہونے کی قسمیں بھائی جائیں
اور آخر میں کچھ دیا لیا جائے
ہم جسے چاہے اپنا کہتے رہیں
وہی اپنا ہے جس کو پا لیا جائے
کیوں نہ آج اپنی بنی بسی کا فراغ
دور سے بیٹھ کر مزہ لیا جائے

بھینٹ چڑھے تم عجلت کی

پیڑ سے کچے اتر گئے

ڈول ویں پر پڑا رہا

چاہ میں پیاسے اتر گئے

اچھے ناصے لوگوں پر بھی وقت اک ایسا آجاتا ہے

اور کسی پر نہستے نہستے خود پر رونا آجاتا ہے

بکھی بکھی تو اس کے پیار سے ہمدردی کی بوآتی ہے

بکھی بکھی تو اس کے پیار پہ ممحکو غصہ آجاتا ہے

ویسے تو ایمان ہے میرا ان بانہوں کی گنجائش پر

دیکھنا یہ ہے اس کشی میں کتنا دریا آجاتا ہے

پھر اپنی آہستہ روی بھی زعم کا باعث بن جاتی ہے

انگلی تھام کے چلتے چلتے آخر چلتا آجاتا ہے

ہوتے ہوتے محرومی کی عادت کیسے ہو جاتی ہے

آدھار زق ہمارے گھر میں کیسے پورا آجاتا ہے

تجھ سے کچھ اور تعلق بھی ضروری ہے مرا
یہ محبت تو کسی وقت بھی مر سکتی ہے





لُھنہا بھی مرا جانا شمار ہونے لگا
پڑے پڑے میں پرانا شمار ہونے لگا

بہت سے سانپ تھے اس غار کے دہانے پر
دل اس لیے بھی خزانہ شمار ہونے لگا

بھوم سارا رہا کر دیا گیا لیکن
مرا ہی شور مچانا شمار ہونے لگا

پھر ایسے ہاتھ سے مانوس ہو گئی تھی
گنے بغیر بھی دانہ شمار ہونے لگا

وہ سنگ جس کو حقارت سے رات بھر دیکھا
سحر ہوئی تو سرہانا شمار ہونے لگا

بھلا ہو ان کا جو مجھ کو ترا سمجھتے ہیں
مرا بھی کوئی ٹھکانہ شمار ہونے لگا

وہ جو اک شخص مجھے طعنہ جاں دیتا ہے
مر نے لگتا ہوں تو مر نے بھی کہاں دیتا ہے

تیری شرطوں پہ ہی کرنا ہے اگر تجھ کو قبول
یہ سہولت تو مجھے سارا جہاں دیتا ہے

تم جسے آگ کا تریاق سمجھ لیتے ہو
دینے لگ جائے تو پانی بھی دھواں دیتا ہے

جم کے چلتا ہوں زمیں پر جو میں آسانی سے
یہ ہنر مجھ کو مرا بارگراں دیتا ہے

ہاں اگر پیاس کا ڈھنڈ ورانہ پیٹا جائے
پھر تو پیاس سے کوئی آواز کنوں دیتا ہے



بھسنوں سے یہ جو مجھے باد بان کھینچتا ہے
ضرور کوئی ہواں کے کان کھینچتا ہے
کسی بدن کی تمازت نڈھال کرتی ہے
کسی کے ہاتھ کا تکیہ تھکان کھینچتا ہے
دکھارہا ہے خریدار بن کے آج مجھے
جسے لپیٹ کے رکھوں وہ تھان کھینچتا ہے
نشت کے تو طلب کار ہی نہیں ہم لوگ
ہمارے پاؤں سے کیوں پانداں کھینچتا ہے
بدل کے دیکھ چکی ہے رعایا صاحب تخت
جو سر قلم نہیں کرتا زبان کھینچتا ہے
یہ سارا جھگڑا ترے انہماں کا ہی تو ہے
سمیٹتا ہے کوئی داستان کھینچتا ہے

تری فضیلت کو اس لئے بھی مرے حوالے سے جانا جاتے
دیاضروری ہے پہلے پہلے جلانے والے سے جانا جاتے
بہت غنیمت ہیں ہم سے ملنے بھی بھی کے یہ آنے والے
و گرنہ اپنا تو شہر بھر میں مکان تالے سے جانا جاتے
شجر سے میں نے جوشاخ کا ٹی شجر بنانے کی ٹھیکانی ہے
مری خطا کو خدارا اب تو مرے ازالے سے جانا جاتے
یہی تو دریا کو ترک کر کے یہاں تک آنے میں مصلحت ہے
کہ میرے حصے کی تیشگی کو ترے پیالے سے جانا جاتے
بڑی اذیت کے بعد آتا ہے آشائی کا یہ قریب
جو خارستے میں آئے اس کو اسی کے چھالے سے جانا جاتے
بصارتوں کو بصیرتوں کی سند نوازی گئی ہے ظہر
یہی نہ ہو شہر کم نظر میں سفید کالے سے جانا جاتے

چراغوں میں وہ چراغ اس لیے نمایاں ہے
ہم ایسے دیکھنے والوں کا دھیان کھلینچتا ہے



تمنگی رزق سے ہلاکان رکھا جاتے گا کیا
دو گھروں کا مجھے مہمان رکھا جاتے گا کیا
تجھے کھو کر تو تری فنکر بہت جائز ہے
تجھے پا کر بھی ترا دھیان رکھا جاتے گا کیا
کس بھروسے پہ اذیت کا سفر جباری ہے
دوسرے مرحلہ آسان رکھا جاتے گا کیا
خوف کے زیر اثر تازہ ہوا آئے گی
اب در پچے پہ بھی در بان رکھا جاتے گا کیا
درد کا شجرہ دکھانے کے لیے مقتول میں
ساتھ خبر کے نمک دان رکھا جاتے گا کیا
چل ترا مان رکھا میں نے تقاضا چھوڑا
چپ رہوں گا تو مرامان رکھا جاتے گا کیا

منظیر شام غریب ایں ہے دم رخصتِ خواب
تعزیے کی طرح اٹھا ہے کوئی بستر سے

مان بھی لے کہ تجھے میں نے بہت چاہا ہے
دost سر پر مرے قرآن رکھا جائے گا کیا

ملاحوں کا تو بس دانہ پانی ہے
کشی بھی اس کی ہے جس کا پانی ہے

پیاس کی پیدائش تو کل کا قصہ ہے
اس دھرتی کا پہلا بیٹا پانی ہے

رونے والے نے تاخیر سے کام لیا
لگتا ہے تالاب میں پچھلا پانی ہے

اس دریا کو ڈوب کے سننا پڑتا ہے
آوازوں سے ملتا جلتا پانی ہے

بڑی نہیں ہے ورنہ موج سمندر سے
اس کی خوبی یہ ہے چلتا پانی ہے
تیرے میرے کھیتوں کا یارانہ ہے
اور اک ہم میں اپنا جھگڑا پانی ہے





ذراسی دیر ٹھہر کر سوال کرتے ہیں
سفر سے آتے ہوؤں کا خیال کرتے ہیں
میں جانتا ہوں مجھے مجھ سے مانگنے والے
پرانی چیز کا جو لوگ حال کرتے ہیں
زمانہ ہو گیا حالانکہ دشت چھوڑے ہوئے
ہمارے تذکرے اب بھی غزال کرتے ہیں
وہ دستیاب ہمیں اس لینہ میں ہوتا
ہم استفادہ نہیں دیکھ بھال کرتے ہیں
و عشق جس کے گنے جا چکے ہیں دن اظہر
ہم اس چراغ کی سائیں بحال کرتے ہیں

میں رواں دائرے میں رہ گیا ہوں
اس لیے راستے میں رہ گیا ہوں
ہر خسارے کو سوچ رکھا تھا
میں بہت فائدے میں رہ گیا ہوں
سر جھٹکنے سے کچھ نہیں ہو گا
میں ترے حافظے میں رہ گیا ہوں
غم ہوا تھا کسی پڑاؤ میں
دوسرے قافلے میں رہ گیا ہوں
میں جری ت وعدے کم نہیں تھا
بس ذرا تجربے میں رہ گیا ہوں
میں کسی داستان سے ابھرول گا
میں کسی تذکرے میں رہ گیا ہوں



پنگ ایک الگ لحاف
قولیت نہ انحراف

بچھڑنا چاہئے ہمیں
تو یوں کہونہ صاف صاف

اگر تو تینغ پھینک دے
تجھے مرا ہو معاف

ادھر ذرا سی بات کی
ادھر کسی کا مود ڈاف

اتر کے جھیل میں بھی ہم
یں زیر آب ناف ناف

پرانی آشنائی پر
بہت بچے کا اختلاف

یہ بھی موسم کی کوئی سازش نہ ہو
ابر ہو لیکن یہ سال بارش نہ ہو

اس قدر بھی چاہنا کیا چاہنا
عشق شدت سے ہو اور خواہش نہ ہو

ایسی غربت کو خدا غارت کرے
پھول بھوانے کی گنجائش نہ ہو

تم تو یوں ضد پر اتر آئے ہو آج
آخری خواہش ہو فرمائش نہ ہو

گل کو خوشبو سے اگر ناپاگیا
عمر بھر ممکن ہے پیماش نہ ہو

وہ کیا کتاب کھولتے

جو چومتے رہے غلاف



دوش دیتے رہے بے کار ہی طغیانی کو
ہم نے سمجھا نہیں دریا کی پریشانی کو
یہ نہیں دیکھتے کتنی ہے ریاضت کس کی
لوگ آسان سمجھ لیتے ہیں آسانی کو
بے گھری کامجھے احساس دلانے والے
تو نے برتا ہے مری بے سرو سامانی کو
شرمساری ہے کہ رکنے میں نہیں آتی ہے
خشک کب تک کوئی کرتا رہے پیشانی کو
آپ سے کس نے طلب کی ہے جنوں پر راتے
چھوڑنے یہ آپ مری چاک گریبانی کو
جیسے زنگوں کی بخیلی بھی ہنر ہو اظہر
غور سے دیکھنے تصویر کی عریانی کو

گرتے پیڑوں کی زدیں ہیں ہم لوگ
کیا خبر راستہ کھلے کب تک



شب فراق کا منظر نہیں بدلنے دیا
کوئی چراغ جلا یانہ میں نے جلنے دیا
ہم اس کا رد عمل جانتے تھے پہلے سے
سوہم نے گیند زیادہ نہیں اچھنے دیا
دلیل اس کے در پیچے کی پیش کی میں نے
کسی کو پستلی گلی سے نہیں نکلنے دیا
پھر اس کے بعد گلے سے لا گلایا میں نے
خلاف اپنے اسے پہلے زہرا لگنے دیا
یہ لوگ جا کے کٹی بوگیوں میں بیٹھ گئے
سمے کوریل کی پڑڑی کے ساتھ چلنے دیا

یار بحبا یار نہیں رہ گئے
راستے ہموار نہیں رہ گئے
خیر پرندے تو پلٹ آئیں گے
لوگ تو اس پار نہیں رہ گئے
تم جہاں تصویر بنے بیٹھے ہو
ہم وہاں دیوار نہیں رہ گئے
یہ تو ازالہ ہے نئے زخم کا
اور جو آزار نہیں رہ گئے
وقت سے پہلے ہوتے تیار ہم
وقت پر تیار نہیں رہ گئے
شکر ہے اچھا ہے مرا حافظہ
ورنہ اب آثار نہیں رہ گئے



رنج انکار اٹھائیں گے نہیں
سلسلہ اور بڑھائیں گے نہیں
موت کی دوسری کوشش پر لوگ
مرنے والے کو بچائیں گے نہیں
باز رہیے ابھی انگلائی سے آپ
ورنہ تصویر میں آئیں گے نہیں
کیسے فطرت سے بغاوت کر لیں
خاک میں خاک اڑائیں گے نہیں
ہم اگر تیرا بھرم رکھ بھی لیں
لوگ لوگوں سے چھپائیں گے نہیں
ہم پلٹتا ہوا دیکھیں گے تمہیں
ہم چراغوں کو بھائیں گے نہیں

ترمیمِ غال و خد کا وسیدہ نہیں رہا
کوزہ اتر کے چاک سے گیلانہ نہیں رہا
سائے کورونے والے مسافر کو کیا خبر
پھل بھی اب اس شجر کا رسیلانہ نہیں رہا
اب تو ہمارے نام سے پہچانیے نہیں
اب تو ہمارا کوئی قبیلہ نہیں رہا
آباد کر دیا ہے بگلوں نے دشت کو
اب رہگز ریں کوئی بھی ٹیلہ نہیں رہا
نوکیلے پھرول پے زوال آگیا فراغ
آہنگ آبجو کا سریلا نہیں رہا

فائدہ ترک مراسم کا فراغ
ہم اسے بھول تو پائیں گے نہیں

روپڑے عرضِ حال سن کر کیا
ہاتھ سے گر گیا رسیور کیا
لوگ اٹھاٹھ کے دیکھنے لگ جائیں
بیٹھ جاؤں ترے برابر کیا

آپ کے تجربے پھیرتے ہے
ایسا ہوتا نہیں ہے اکثر کیا
مانگتے ہو مری نمو کا ثبوت
عینی شاہد نہیں ہیں پتھر کیا

ہم اگراب کے سال بھی نہ ملے
پھر ادھیڑو گی تم سویٹر کیا
اس تبرک کو بھی غنیمتِ حبان
جو میسر ہے اس سے بہتر کیا



سارا قرضِ ہنر چکا دیا ہے
لفظ کو راستہ بنادیا ہے
بے خیالی میں جس کو پایا تھا
ڈھونڈنے میں اسے گنوادیا ہے
اعتنیا طریقہ فصیل و درکیسی
جب کرایہ مکان کا دیا ہے
رک گئے ہیں جہاں سے روکا گیا
لگ گئے ہیں جہاں لگا دیا ہے
رت بدلنے کی دیر تھی اظہر
دھوپ نے چھاؤں کا مزہ دیا ہے



سر پر کجھی ہوئی دستار کسی اور کی تھی
اصل میں ہار مری ہار کسی اور کی تھی
ہم تو بس اس میں سکونت کے گنہگار ہے
در کسی اور کا دیوار کسی اور کی تھی
ہم کو حاصل تھی تو بس پیڑ کی چھاؤں کچھ دیر
پیڑ پر شاخِ شر بار کسی اور کی تھی
میں نبرد آزمائیں خود سے تھا بہت پہلے سے
رائے لیکن مجھے درکار کسی اور کی تھی
دستیابی کے سبھی مرحلے طے کر کے بھی
زندگی پھر بھی طلب گار کسی اور کی تھی



مصالحت سے یہ قصہ نمٹ بھی سکتا ہے
لباس صلح کرانے میں پھٹ بھی سکتا ہے

تم اپنے کرب کا اظہار کر بھی سکتی ہو
پیاز کاٹ کے یہ وقت کٹ بھی سکتا ہے

تو جس کی فتح کے نعرے لگانا چاہتا ہے
خارج لے کے وہ لشکر پلٹ بھی سکتا ہے

ہے اختیار میں تھوڑی گناہ عالم وحد
کسی سے آدمی جا کر لپٹ بھی سکتا ہے

اگر تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے جنگل میں
یہ خیمه حسب ضرورت سمٹ بھی سکتا ہے

ترے بعد کوئی بھی غم اڑنہیں کر سکا
کوئی سانحہ مری آنکھ تر نہیں کر سکا

مجھے علم تھا مجھے کم پڑے گی یہ روشنی
سو میں انحصار چراغ پر نہیں کر سکا

مجھے جھوٹ کے وہ جواز پیش کیے گئے
کسی بات پر میں اگر مگر نہیں کر سکا

مرے آس پاس کی مفلسی مری معذرت
ترا انتظام میں اپنے گھر نہیں کر سکا

کہتی پیکروں کو مرے خیال نے شکل دی
جنہیں رونما مرا کوزہ گز نہیں کر سکا

مجھے چال چلنے میں دیر ہو گئی اور میں
کوئی ایک مہرہ ادھرا حصہ نہیں کر سکا



مجتوں میں نے طرزِ انتقام کی شام
کسی کے ساتھ گزاری کسی کے نام کی شام

ازالہ ہو گیا تاخیر سے نکلنے کا
گزر گئی ہے سفر میں مرے قیام کی شام

نکوئی خواب دکھایا نکوئی عہد کیا
بدن ادھار لیا بھی تو اس سے شام کی شام

مسافروں کے لیے دشت کیا سرائے کیا
ہمیں تو ایک سی لگتی ہے ہر مقام کی شام

مٹائے گی مری تکمیل کی سحر مجھ کو
بنارہی ہے مجھے میرے انہدام کی شام



مڑ کے تکتے نہیں پتوار کو لوگ
ایسے جاتے ہیں ندی پار کو لوگ
ساتھ کا شکر ادا کرنا تھا
سبدھ کرتے رہے دیوار کو لوگ
میں تو منزل کی طرف دیکھتا ہوں
دیکھتے ہیں مری رفتار کو لوگ
آنہ میرے مقابل لائے
خوب سمجھے مرے معیار کو لوگ
نام لکھتے ہیں کسی کا لیکن
دکھ بتاتے نہیں اشبار کو لوگ



اب بھلے دیکھتا رہے جس کو
نظر آتے نہ ہم کھڑے جس کو
ھاتے وہ بھیگاریشی پیکر
تو لیہ کھردرا لگے جس کو
دل کو اتنا سبج کے پھینکا ہے
چوم کر رکھنہ دے ملنے جس کو
کم نگاہو یہی مناسب ہے
دور جتنا دیا پڑے جس کو
ہم اسے پوچھ تھوڑی سکتے ہیں
اسکی مرضی جہاں رکھے جس کو
کرچی کرچی سمیٹتا ہوں اسے
توڑ دیتے ہیں آئینے جس کو

ایک طرف تقسیم اضافی ہو سکتی ہے
ماں سے بھی تو نا انصافی ہو سکتی ہے
مری نمو ہے تو تے تغافل سے وابستہ
کم بارش بھی مجھ کو کافی ہو سکتی ہے
ان پھولوں کی پتی پتی زہریلی ہے
لیکن ان کی خوبیو شانی ہو سکتی ہے
صدیوں سے ساحل پر رکھا میں غالی کو زہ
بھرنے سے بھی کھاں تلا فی ہو سکتی ہے
اس پیچیدہ رشتے میں آسانی یہ ہے
حسب ضرورت وعدہ خلافی ہو سکتی ہے

شاہزادی ہو یا کنیز فراغ
رنگ اس شوخ کا بچے جس کو

اسی لیے ترے دعوؤں پر مسکرا رہے ہیں
ہم اپنا ہاتھ تری پشت سے اٹھا رہے ہیں

 بس اپنی خوش نظری کا بھرم رکھا ہوا ہے
شکستہ آئینے ترتیب سے لگا رہے ہیں

 وہ خود کھاں ہے جو نغمہ سرا ہے صدیوں سے
یہ کون یہیں جو فقط اپنے لب ہلا رہے ہیں

 ہوتے ہیں دیر سے ہموار زندگی کے لیے
ضرور ہم کسی لشکر کا راستہ رہے ہیں

 ابھی کسی کی خوشی میں شریک ہونا ہے
ابھی کسی کے جنازے سے ہو کے آرہے ہیں

اب تو اس شخص سے بھی ترک تعلق ہے محال
تیرے دھوکے میں جسے دل سے لگایا ہوا ہے





بتا رہا ہے جھٹکنا تری کلائی کا
ذرا بھی رنج نہیں ہے تجھے جدائی کا
اور ایک ہم ہیں کہ ہموار کر رہے ہیں زمیں
زمانہ آبھی چکا فصل کی کٹائی کا
تری طلب کے قرینے کو داد دیتا ہوں
گمان میری سخاوت پہ ہے گدائی کا
میں زندگی کو کھلے دل سے خرچ کرتا تھا
حساب دینا پڑا مجھ کو پائی پائی کا
کسی کے گھر میں گرے گیند کی طرح اظہر
عطای ہوا ہے ہمیں سلسلہ رسائی کا



دھوپ میں سایہ بنے تنہا گھڑے ہوتے ہیں
بڑے لوگوں کے خمارے بھی بڑے ہوتے ہیں

ایک ہی وقت میں پیاس سے بھی ہیں سیراب بھی ہیں
ہم جو سحراؤں کی مٹی کے گھڑے ہوتے ہیں

یہ جور ہتے ہیں بہت موج میں شب بھر ہم لوگ
صحح ہوتے ہی کنارے پہ پڑے ہوتے ہیں

ہجسر دیوار کا آزار الگ اپنی جگہ
اس کے اوپر بھی کئی کانچ جڑے ہوتے ہیں

آنکھ کھلتے ہی جیں چونمنے آجاتے ہیں
ہم اگر خواب میں بھی تم سے لڑے ہوتے ہیں

ہے ملال ایسے ہمیں باغ کی ویرانی کا
جیسے ہم لوگ درختوں سے جھڑے ہوتے ہیں



فکرو جنوں کی بحث ہو یا حرفِ ناقہ دانہ ہو
غالب کو رد تو وہ کرے پہلے جو خود یگانہ ہو
مجھ سے سبک خرام کا ہونا ہے ہمسفر تجھے
چلنا ہے میرے ساتھ تو یوں کر کہ تو روانہ ہو
آرائشِ خیال کی خوبی یہی تضاد ہے
کچھ کچھ بہت جدید ہو کچھ کچھ بہت پرانا ہو
ایپنی اڑائی خاک کو لے جا کروں گا چاک پر
ممکن ہے عذرِ عشق سے تدبیر آب و دانہ ہو
پیشہ ورانِ عشق و شوق تجھے نہ وقت رانگاں
ایسا کھنڈ رہیں ہوں میں جس میں کوئی خزانہ ہو

ڈرے ہوئے میں سمجھی لوگ ابر چھانے سے
وہ آئی بام پہ کیا دھوپ کے بہانے سے
وہ قصہ گو تو بہت جلد باز آدمی تھا
بہت سی لکڑیاں ہم رو گئے جبالے سے
نظر تو ڈال روانی کی استقامت پر
یہ آبشار ہے کھسار کے گھر انے سے
مسافرانِ مجت مجھے معاف کریں
میں باز آیا انہیں راستہ دکھانے سے
اگر میں آخری بازی نہ کھیلتا اظہر
تو خالی ہاتھ نہ آتا قمارخانے سے



ہوا کے رخ پر دیا دھرنہ نہیں گیا تھا میں
پچھڑ گیا تھا کوئی مر نہیں گیا تھا میں

یہ اور بات کہ میں نامراد لوٹ آیا
مگر قطار میں لگ کر نہیں گیا تھا میں

سبھی نے دیکھا مجھے اجنبی نگاہوں سے
کہاں گیا تھا اگر گھر نہیں گیا تھا میں

ہوا ضرور تھا اور جھل نگاہ سے لیکن
گئے ہوؤں کے برابر نہیں گیا تھا میں

پرانے کرب کی تحویل میں دیا گیا تھا
خوشی سے آگ کے اندر نہیں گیا تھا میں

مرے خلا پہ زمانوں کی گرد صرف ہوئی
پلک جھپکتے ہوئے بھر نہیں گیا تھا میں

گواں کا جرم تو ناقابل معافی ہے
خود آگیا ہے مرے پاس چل کے کافی ہے

غلط نہ جان مری دوسری محبت کو
یقین کر یہ ترے ہجرا کی تلافی ہے

ہر ایک شے کی ضرورت بلا ضرورت ہے
ہوس نہ ہو تو یہ لگتا ہے سب اضافی ہے

عجیب طرف ہے اظہر مرے بزرگوں کا
کہ حق پر بولنا تہذیب کے منافی ہے



ہمارے بارے میں تجویز بھنور کو مغل الطے ہے
ہمیں کسی کی ادا سس آنکھوں کا تجربہ ہے
گھٹن تو ہو گی نئی نئی راہداریوں میں
مگر جویں کا ایک کمرہ بہت کھلا ہے
روا روی میں کہانی سنتے چلے گئے میں
یہ بات ویسے سنانے والا بھی جانتا ہے
ہوا تو آتی ہے خشک شاخوں سے چھن کے لیکن
شجر ضعیفی کے مارے مجھ پر جھکا ہوا ہے
بتانا پڑتا ہے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر
کہ کتنا مشکل ہماری آنکھوں سے دیکھنا ہے
تو کیا ہوا جو ہمیں بھی درپیش ہے مسافت
یہ ناؤ یوں بھی سمندروں کی ملازمت ہے

ہماری طرح محبت کا فلسفہ سمجھے
نئے سے کون پرانے کو دیر پا سمجھے
اسے کہو جو بلا تا ہے گھرے پانی میں
کنارے سے بندھی کشی کا مسئلہ سمجھے
ہمارا کیا ہے ہمیں تو فرار چاہیے تھا
دراثتھی جسے ہم باب نیم وا سمجھے
مجھے پتہ ہے کہ کس در کو ہٹھٹانا ہے
مری طلب کو زمانہ مری عطا سمجھے
پچھڑنے پر مجھے مجبور کر دیا گیا تھا
یہ اور بات کوئی اس کو فیصلہ سمجھے
تعین اس لیے ہم کو ہے سہل سمتوں کا
اندھیرے میں تری آواز کو دیا سمجھے



جاتے ہوئے نہیں رہا پھر بھی ہمارے دھیان میں
دیکھی بھی ہم نے مچھلیاں شیشے کے مرتبان میں
ساتھ ضعیف باپ کے لگ گئیں کام کا ج پر
گہنے چھپا کے اڑکیاں دادی کے پان دان میں
گھنٹی بجا کے بھاگتے بچوں کو تھوڑی عسلم ہے
رہتا نہیں ہے کوئی بھی آدمی اسکے مکان میں
پہلے بھی اپنی جھولیاں جھاڑ کر اٹھ گئے تھے ہم
ایسی ہی ایک رات تھی ایسی ہی داستان میں
یعنی محال کچھ نہیں ذروں کے اجتماع کی
یعنی سبھی مسہ و خوم ایک ہی خاندان میں
اتنا بھی مختلف نہیں میرا تمہارا تجربہ
جیسے کہ تم مقیم ہو اور کسی جہان میں

جو خوشی جو تیری رضا میاں تری خیر ہو
تو بچھڑر ہا ہے تو جاما میاں تری خیر ہو
خبر آنہیں رہی خیر کی کسی سمت سے
مجھے جب سے اس نے کہا میاں تری خیر ہو
کہیں یہ نہ ہو کوئی تجھ شجر کو بھی کاٹ دے
تو بچا ہے کھر میں بڑا میاں تری خیر ہو
مجھے مت بتا کہ یہ رات پھر نہیں آئے گی
مجھے دھوکہ دے کے سلا میاں تری خیر ہو
تری بزم میں مرا یوں بھی کون ہے آشنا
بھلے جو یوں پہ بٹھا میاں تری خیر ہو
تو وعدو نہیں تو مرے حساب میں دوست ہے
ترے نام سے مجھے کیا میاں تری خیر ہو



کوئی بھی شکل بنادیں ہمیں اجازت ہے
ہمارا مسئلہ معصوم کی وضاحت ہے
مجھے بھی ناؤ میں گنے کا شکر لیکن
قریب کا یہ جزیرہ برائے خلقت ہے
یہ کچے سیدب چبانے میں اتنے سہل نہیں
ہمارا صبر نہ کرنا بھی ایک ہمت ہے
یہ نرخ ایک سے باز احسن و حرمت کے
وہی بدن کی وہی پسیر ہن کی قیمت ہے
بچا نہیں کوئی مصرف کسی احبابے کا
چراغ کے لیے بے کار کی اذیت ہے

کمی ہے کون سی گھر میں دکھانے لگ گئے ہیں
چراغ اور اندھیرا بڑھانے لگ گئے ہیں
یہ اعتماد بھی میرا دیا ہوا ہے تجھے
جو میرے مشورے بے کار جانے لگ گئے ہیں
فضا بدلتی اندر سے ہم پرندوں کی
جو بول تک نہیں سکتے تھے گانے لگ گئے ہیں
وہ پہلے تنہا خزانے کے خواب دیکھتا تھا
اب اپنے ہاتھ بھی نقشے پرانے لگ گئے ہیں
نہیں بعید کہ جنگل میں شام پڑ جائے
ہم ایک پیڑ کو رستہ بتانے لگ گئے ہیں
کہیں ہمارا تلاطم تھے تو فیصلہ ہو
ہم اپنی موج میں کیا کیا بہانے لگ گئے ہیں



لگتا تو نہیں الماری سے
وہ شخص گیا تیاری سے
سچ پوچھ تو بے ایمانی ہے
ہر عشق دیانتداری سے
تاخیر گوارہ کر لیتے
تو سچ جاتے دشواری سے
کچھ پھول ابھرے خود کا فند پر
کچھ ابھرے نقش نگاری سے
کیوں بات بڑھانا چاہتے ہو
تم اپنی کم گفتاری سے
اظہر ہم دور کے چوروں کو
ہلاکا بہتر ہے بھاری سے

کوئی رستہ نکالنا پڑے گا
آگ میں ہاتھ ڈالنا پڑے گا
خود کو تیرے سپرد کیا کجھ
پھر تجھے بھی سنبھالنا پڑے گا
ایک خط ہے خطوں میں رکھا ہوا
سارا ماضی کھنگالنا پڑے گا
مانگنے میں اگر کمی نہ ہوئی
کم سے کم پر تو ٹالنا پڑے گا
مسکرانا سکھا رہا ہوں تجھے
اب ترا دکھ بھی پالنا پڑے گا



کوئی سلسلہ نہیں جاوداں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
میں توہر طرح سے ہوں رائگاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
مرے ہم نفس توچ راغ تھا تجھے کیا خبر مرے حال کی
کہ جیا میں کیسے دھواں دھواں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
نہ ترا وصال وصال تھا نہ تری جدائی جدائی ہے
وہی حالتِ دل بدگماں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
میں یہ چاہتا ہوں کہ عمر بھر رہے تشنگی مرے عشق میں
کوئی جستجو رہے درمیاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
مرے نقشِ پا تجھے دیکھ کر یہ جو چل رہے ہیں انہیں بتا
ہے مرا راغ مرانشاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

ایسی خوش قسمتی کا کیا کیجھ
تو نہیں تو کسی کا کیا کیجھ
ہاتھ پتھر سے ہو گئے مانوس
شوہقِ کوزہ گری کا کیا کیجھ
اب تو اقدار بھی نہیں درکار
اب تری خامشی کا کیا کیجھ
میرا شوقِ طلب ہی اتنا ہے
تیری دریادلی کا کیا کیجھ
کچھ نہیں دے رہا سمجھائی ہمیں
اس قدر روشنی کا کیا کیجھ
آئندہ ڈھانپے اگر بالفرض
دوسرے آدمی کا کیا کیجھ



پا پا یہ ٹلم کسی حوال میں نہیں کرتے
گھروں کے فیصلے چوپاں میں نہیں کرتے
ہمارے ہاتھ کی ریکھاؤں میں خسل ہو گا
پرندے دھوکہ اگر فال میں نہیں کرتے
محبت اپنی جگہ بام و در سے میرے عزیز
مگر یہ تجربہ بھونچاں میں نہیں کرتے
ہم اپنی نیکی سمجھتے تو یہ تجھے لیکن
شمارنامہ ءاعمال میں نہیں کرتے
یہ رات جتنے فسانوں کی مرنکب ہے فراغ
گناہ اتنے تو ہم سال میں نہیں کرتے

بہت ہی مہنگی مجھے اپنی زندگانی پڑی
وہ اس لئے کہ ترے ہجبر میں بتانی پڑی
کچھ اتنا سہل نہ تھا روشنی سے بھر جانا
نظر دیے پہ بڑی دیر تک جمانی پڑی
خطوں کو کھولتی دیمک کا شکریہ ورنہ
تڑپ رہی تھی لفافوں میں بے زبانی پڑی
قدم قدم پہ ہزیمت کا سامنا ہے مجھے
قدم قدم پہ اگرچہ ہے کامرانی پڑی
مری انا کے تقاضے نہ ہو سکے پورے
میں سراٹھا کے چلا تو نظر جھکانی پڑی
پرانے غم پہ نئی مے ہے بے اثر اظہر
کہیں سے ڈھونڈ کے لائے کوئی پرانی پڑی





اس لیے مجھ کو میسر تو نہیں بھی نہیں ہے
خواب تو خواب حقیقت کا یقین بھی نہیں ہے
ہم تو دریا کو بھی محبرم نہیں ٹھہر سکتے
ڈوبنے والا کنارے کے قریب بھی نہیں ہے
حائے اس شخص کا ایمان کہ کافر کر دے
بد عقیدہ بھی ہے اور منکر دیں بھی نہیں ہے
یکجئے کیسے بھلا اس کے تغافل کا ملال
حسن انکار تو یہ ہے کہ نہیں بھی نہیں ہے
تم تو کہتے تھے کہ افلک کشادہ ہوں گے
پاؤں دھرنے کو یہاں پر تو زمیں بھی نہیں ہے

کوششیں کر کے دل برا کیا تھا
اس پرندے کو جب رہا کیا تھا
ہم سے سرزد ہوا تھا کا خیر
کیابتائیں کہ ہم نے کیا کیا تھا
میں نے اک دن بھاکے پچوں کو
اپنے احمد اد کا گلہ کیا تھا
کم اذیت میں جان چھوٹ گئی
اپنے قاتل سے مشورہ کیا تھا
خاک سے جتنا زہر جذب کیا
اپنی شاخوں سے رومنا کیا تھا
ولیسے وہ میری دسترس میں تھا
اختیاڑاً محاصرہ کیا تھا



اسی منظر کو پھر دوبارہ بنا
جھیل کے وسط میں کنارہ بنا

چھاؤں کا حق ادا کیا میں نے
گرتی دیوار کا سہارا بنا

ہم ابھی ممکنات سوچتے تھے
دیکھتے دیکھتے نظارہ بنا

ایک چھتری کی چھاؤں میں بیٹھے
کچھ ہمارا نہ کچھ تمہارا بنا

ہم محبت سمجھ رہے تھے جسے
اپنی خاطر کوئی ہمارا بنا

آش نارا نہ یاد رہی
ہاتھ ملتے ہوئے شرارہ بنا

چاہے آغازاب انجام سے کرنا پڑ جائے
جیا ٹھیں ہمکو اگر آپ پہ مرننا پڑ جائے

بھیکے بالوں کو سنبھال اور نکل جنگل سے
اس سے پہلے کہ ترے پاؤں یہ جھرنا پڑ جائے
کٹ کے جینا ہے تری ذات سے ایسے جیسے
خود بخود ہوتے ہوئے کام کو کرنا پڑ جائے

کچھ ٹھہرتا نہیں اس ٹوٹے ہوئے برتن میں
دل دوبارہ نہ کہیں چاک پہ دھرنا پڑ جائے

کتنا مشکل ہے اگر کوئے محبت سے مجھے
کارِ دنیا کے ارادے سے گزرننا پڑ جائے



کس کس سے کر کے اس کو خبردار جانے دوں
اندھے کو کیسے تھاڑک پار جانے دوں
دفتر سے مل نہیں رہی چھٹی و گرنہ میں
بارش کی ایک بوندھ بے کار جانے دوں
جی چاہتا ہے کھول دوں اندر سے کنڈیاں
ویرانی سوئے رونق بازار جانے دوں
اس رسہ کش پڑھیل کا احسان کچھ نہیں
کب تک میں در گزر کروں ہر بار جانے دوں

چہرہ پھولوں کی طرح دھیان میں رکھا گیا ہے
اس کی تصویر کو گلداں میں رکھا گیا ہے
اس غرض سے کہ مری واپسی ممکن ہو جائے
ایک تعویذ بھی سامان میں رکھا گیا ہے
حکم اقرار اطاعت ہے بہت بعد کی بات
کفر پہلے مرے ایمان میں رکھا گیا ہے
مر گئے جس کے بھروسے پہ جری، وہ مرہم
زمیوں کے لیے میدان میں رکھا گیا ہے
رسہ چھوڑا ہی نہیں اس نے کوئی میرے لیے
یعنی پنجہ مرازندان میں رکھا گیا ہے



ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا
بچوں والا گھر ہے بھیا

عینک کا واویلا کرنا
ٹھوکر سے بہتر ہے بھیا

بس تم اپنے خواب سمیٹو
جس کا بھی بستر ہے بھیا

بھابی کے کسنگن تھوڑی ہیں
ہنسنوں کا زیور ہے بھیا

میں جو تم کو خوش دکھتا ہوں
پردے کی جھال رہے بھیا

کیوں نہ بے فکر ہو کے سویا جائے
اب بچا کیا ہے جس کو کھویا جائے

ایک فہرستِ رفتگاں ہے میان
رویا جائے تو کس کو رویا جائے

استفادہ عقب کے پانی سے
اور منہ آتنے سے دھویا جائے

میں تو خود سے فرار چاہتا ہوں
خود میں تجھ کو کہاں سمویا جائے

کوئی تو نام ہو تعلق کا
کس حوالے سے بوجھ ڈھویا جائے

ہم ضروری نہیں سمجھتے فراغ
عشق تسبیح میں پرویا جائے



اٹھ گیا رزق لا مکاں سے بھی
اب چلا جائے کیا یہاں سے بھی

ہونے والا نہیں یہ قصہ تمام
مود دیجئے ورق جہاں سے بھی

پھول تیروں کی زد سے بچ نکلا
خوشبو آنے لگی کماں سے بھی

شکل آئندگاں بنارہے ہیں
مشورہ ہو گا رفتگاں سے بھی

جانشاروں کو پوچھنا ہی پڑا
نک آتے گی آسمان سے بھی

وقت آغاز و اختتام کے عشق
آکریں تجھ کو درمیاں سے بھی

سوچا ہے کیا معاوضہ ساتے کا آپ نے
کہہ تو دیا شجر کو کراتے کا آپ نے
لگتا ہے واپسی کا ارادہ نہیں رہا
نقشہ بدل دیا ہے سرائے کا آپ نے
اپنی جبگہ بحباہے کہانی کا اختتام
مطلوب غلط لیا ہے کنائے کا آپ نے

شاہی نہیں ہے منصب ساقی ہے یہ جناب
رکھا ہے فرق اپنے پرائے کا آپ نے

احمق لگے ہوتے ہیں عبث بھاگ دوڑ میں
دامن بھرا ہے پیٹھے بٹھائے کا آپ نے

اتنا معصوم بھی نہیں ہے وہ
دینے پڑتے میں اس کو جھانسے بھی



یہی نہیں کہ یہ تعبیر کا معاملہ ہے
ہمارے خواب کی تو قیر کا معاملہ ہے

چلا تو لیتا میں کام ایک آدھ اشک سے بھی
مگر یہاں غم شنیر کا معاملہ ہے

اس سے بھی اس کے مسائل نے روک رکھا ہے
ہمارے ساتھ بھی تقدیر کا معاملہ ہے

کرے تو کیسے کرے بھائی بھائی کو تسلیم
یہ خون کا نہیں جا گسیر کا معاملہ ہے

تمہاری ذات کے ملبے کا کیا کروں گا میں
جہاں تک مری تعمیر کا معاملہ ہے

معاصرین غزل سے معافی چاہتا ہوں
یہ حرمت ہنر میر کا معاملہ ہے

تمام الفاظ کے معانی بدل گئے ہیں
وہ اپنے چہرے پوگئی ہے کتاب رکھ کر



کتنا کہتے تھے تجھے بھائی سمجھ
آئی یا اب بھی نہیں آئی سمجھ
پرکشائی میں بنے ہوں گے صلیب
ان پرندوں کو نہ عیسائی سمجھ
کھلے پنجرے کی سہولت پر جا
مری غفلت مری دانائی سمجھ
شعر کے لوگ نہیں شور کے لوگ
تو بھلے اس کو پزیرائی سمجھ
چاہے مت کر مجھے اپنوں میں شمار
اپنی تہائی کو تہائی سمجھ
عمر مت پوچھ کنویں کی اظہر
چھو کے کوزوں پر جمی کائی سمجھ

کیا کچھ نہیں تھا بس میں مگر دل نہیں کیا
کھونے کے خوف سے اسے حاصل نہیں کیا
محسوں کر لیا تھا بھenor کی تھکان کو
یونہی تو خود کو رقص پر مائل نہیں کیا
خود پر حرام سمجھا شر کے حصول کو
جب تک شجر کو چھاؤں کے قابل نہیں کیا
چھو کر وہ خال و خد گئے کوزہ گری کو ہم
تاشریم یار کو زائل نہیں کیا
جا گے ہوؤں سے بڑھ کے ہمیں باخبر سمجھ
ہمکو ہماری نیند نے غافل نہیں کیا



خاک اب ٹوٹے رشتے میں مضبوطی پہلے والی ہے
پھر لگتا ہے اس مصرع پر گرہ لگانے والی ہے
کھڑکی سے دکھتے پیڑوں کی سست روی سے لگتا ہے
اگلا سفر ہمیں کرنا ہے گاڑی رکنے والی ہے
ندی کنارے وقت بتانے والوں کو سمجھائے کون
اک پاگل کی کاغذی کشی کھول کے پڑھنے والی ہے
آنکھوں کے انبار لکے ہیں نیم کھلے دروازوں میں
جیسے گاؤں کی گلیوں سے بارات گزرنے والی ہے
دھیرے دھیرے تان رہے ہیں ہم بھی کمبیل چہرے پر
لُوی کی آواز کو وہ بھی مددم کرنے والی ہے
شرم نہیں آتی کیا تم کو عشق کی دعوے داری پر
باتیں دشت نور دی کی اور خواہش خیجے والی ہے



جتنے دن چاہے وہ آکر یہاں مہمان رہے
سرپہم اس کا اٹھانے سے تو سامان رہے
کل اثاثے کی میاں ایک ہی گھٹڑی نہ بنا
تاکہ ہر ٹوٹی ہوئی چیز کی پہچان رہے
تجھ سے درکار محبت ہے محبت کے عوض
میں نہیں چاہتا تجھ پر کوئی احسان رہے
موسم ہجر میں پھولوں کی عمل داری تھی
اک اذیت میں مری میز پر گلدان رہے
جس طرح زندگی یمار کا بستر ہو فراغ
آدمی اپنی ہی کروٹ سے پریشان رہے

گھاس سمجھ کر آپ ہرے قالین پہ اپنے پاؤں دھریں
باغ کی گنجائش بھی بالکل میرے کمرے والی ہے



دیواریں چھوٹی ہوتی تھیں لیکن پردہ ہوتا تھا
تالے کی امجاد سے پہلے صرف بھروسہ ہوتا تھا
بکھی بکھی آتی تھی پہلے وصل کی لذت اندر تک
بارش ترچھی پڑتی تھی تو کمرا گیلا ہوتا تھا
شکر کرو تم اس بستی میں بھی اسکول گھلا، ورنہ
مرجانے کے بعد کسی کا سپنا اپرا ہوتا تھا
جب تک مانجا چوم کے رخصت کرنے والی زندہ تھی
 دروازے سے باہر تک بھی منہ میں لقمہ ہوتا تھا
بھلے زمانے تھے جب شعر سہولت سے ہو جاتے تھے
 نئے سخن کے نام پہ اظہر میر کا چربہ ہوتا تھا

گرچہ بہتات میں دیا گیا ہے
حق بھی خیرات میں دیا گیا ہے



اس لب کی خامشی کے سبب ٹوٹتا ہوں میں
دست دعا میں رکھا ہوا آئنہ ہوں میں

اب جا کے ہو سکے گی محبت و ثقہ سے
خود سے پچھرتے وقت کسی سے ملا ہوں میں

آباد ہے خزانے کی افواہ سے وجود
متروک جنگلوں کا کوئی راستہ ہوں میں

دستار کا غذی ہے فضیلت ہے نام کی
چھوٹوں کی مہربانی سے گھر میں بڑا ہوں میں

روکرنہ سویا جائے تو کیا نیند کا جواز
بستر کی ہر شکن میں پڑا جا گتا ہوں میں

ہوں اپنی روشنی کی اذیت میں بستلا
جلتا ہوا حپراغ ہوں الٹا پڑا ہوں میں

مل گیا تو مجھے میرا نہیں رہنے دے گا
وہ سمندر مجھے قطرہ نہیں رہنے دے گا

اس کوشک ہے کہ بھنوں سے یہ مرا اسم میرے
اب وہ پانی پہ سفینہ نہیں رہنے دے گا

مجھ کو معلوم تھا آسانی سے کھلتا ہوا در
واپسی کے لیے رستہ نہیں رہنے دے گا

لمحہ بھر کار جہاں پچھڑے ہوتے یاروں کو
جوڑ بھی دے گا تو یکجا نہیں رہنے دے گا

حسب حاصل کہیں موجود نہ ہونا میرا
سب کا ہو کر بھی کسی کا نہیں رہنے دے گا

تو جو حق میں مرے تلوار بنا پھرتا ہے
رہنے بھی دے گا مجھے یا نہیں رہنے دے گا



عمر ہم لوگ کہاں کاٹتے ہیں
درد کا کوہ گراں کاٹتے ہیں

تم بدر روشنی کرتے جاؤ
ہم چپراغوں کا دھواں کاٹتے ہیں

عشق وہ بانجھ زیں ہے جس پر
سود بوتے ہیں زیاں کاٹتے ہیں

خود ہی پڑھتے ہیں قصیدے اس کے
خود ہی دانتوں سے زبان کاٹتے ہیں

کوئی سازش ہے درون پر دہ
تیر اپنی ہی کماں کاٹتے ہیں

زور دریا کی شلی کے لیے
موجہ آب رواں کاٹتے ہیں

وہ جو اک شخص تھا اک ذات تھی ویسے نہیں تھی
خواب میں اس سے ملاقات تھی ویسے نہیں تھی

میں نے تاخیر کو تدبیر بنارہا تھا
چال چلتے ہی مری مات تھی ویسے نہیں تھی

سب مرے حسن تھنیل کا بنایا ہوا تھا
زندگی حب خیالات تھی ویسے نہیں تھی

میرا رونا کوئی اشکوں کا دکھاوانہ میں تھا
اندر اندر کوئی بُرات تھی ویسے نہیں تھی

کسی بھی چیز کو چھونے کی اجازت نہ ملی
نظر آتا تھا کہ بہت سات تھی ویسے نہیں تھی

مجھ کو مطلوب و میسر کہ دروں رہنا تھا
اک سخاوت پس خیرات تھی ویسے نہیں تھی

روزِ محشر کی سزا میں بھی فراغ
هم گنہگار یہاں کاٹتے ہیں



کوئی بھی شکل مرے دل میں اتر سکتی ہے
اک رفاقت میں کہاں عمر گز ر سکتی ہے

 تجھ سے کچھ اور تعلق بھی ضروری ہے مرا
یہ محبت تو کسی وقت بھی مرس سکتی ہے

 میری خواہش ہے کہ پھلوں سے تجھ فتح کروں
ورنه یہ کام تو تلوار بھی کر سکتی ہے

 ہوا گرموں میں ہم جیسا کوئی اندھا فقیر
ایک سکے سے بھی تقدیر سو ر سکتی ہے

 صحیح دم سرخ اب لا ہے کھلے پانی میں
چاند کی لاش کہیں سے بھی ابھر سکتی ہے

بھسپڑ میں گم ہو گئے ہم اپنی انگلی چھوڑ کر
منفرد ہونے کی دھن میں اور وہ جیسے ہو گئے



ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا
بچوں والا گھر ہے بھیا
عینک کا داویلا کرنا
ٹھوکر سے بہتر ہے بھیا
بس تم اپنے خواب سمیٹو
جس کا بھی بستر ہے بھیا
کھڑکی کے منظر سے اچھی
پردے کی جھالر ہے بھیا
بھابی کے کنگن تھوڑی ہیں
بہنوں کا زیور ہے بھیا
آدھا آدھا رو لیتے ہیں
ایک ٹشوپی پر ہے بھیا



سب کو تھوڑی مرا یقیں آیا
کوئی آیا کوئی نہیں آیا
نئی گنجائش سکوں نکلی
صوفہ دیوار کے قریں آیا
آگئی نیند مجھ کو سجدے میں
گال تک حلقہ جبیں آیا
ریت اڑتی ہوئی کہیں پہنچی
پانی رستا ہوا کہیں آیا
پارساوں کو کیا تمیز بتاں
ہاتھ جس کے جومہ جبیں آیا
خوش تھے اس کی خوشی میں ہم اظہر
پھر خیالِ دلِ حزیں آیا



فردیات



اتقی اجرت پہ مت بضرر ہے
اور بھی لوگ کام جانتے ہیں



اس کی مٹھی میں گرفتار ہیں ہم ریت کی مثل
رکتے رکتے بھی روانی سے بدل آئیں گے



مجھ کو پانی کے رویے سے ہوا اندازہ
میں نے دیکھے نہیں ڈوبے ہوئے تیراک کے زخم

نظر کی حد سے بدل کر جمال دیکھنا تھا
جو دیکھنا تھا اپس خود خال دیکھنا تھا

کسی کو چاہنا آسان ہو گیا ہوتا
ہماری سامنے رکھ کر مثال دیکھنا تھا

پڑے ہوئے تھے جہاں ڈھیر و ڈھیر نہ رانے
تھی بھی تھا تو مرا کس نے تھال دیکھنا تھا

تمہارے بھر سے دو چار کون تھا جو نہ تھا
ہمارے دیکھنے والوں کا حال دیکھنا تھا

معاملے جہاں اپنی بقا کے تھے درپیش
کسی نے غاک علال و حرام دیکھنا تھا

عرضِ ناشر

وراق پہلی کیشنر، ادبی تنظیم مجلس وراق کا اشاعتی ادارہ ہے جو غیر کارو باری بنیادوں پر بغیر نفع و نقصان کے کام کر رہا ہے، وراق کا مقصود علم و ادب کی ترویج اور معاشرے میں کتاب دوستی کا فروغ ہے، اگر آپ غور فرمائیں تو کتابوں کی قیمتیوں اور معیار نے قاری کو کتاب سے دور کر دیا ہے، ایسے عالم میں مجلس وراق نے فیصلہ کیا کہ ایک اشاعتی ادارہ بنایا جائے جس کی ایک یونیٹ ہو جو شائع ہونے کے لائق کتابوں کا معیار قائم کرے اور سستی کتابیں شائع کرے، اس سلسلے میں ہم لکھاری سے خود رابطہ کرتے ہیں اور اس کی تخلیقات بغیر کسی معاوضے کے شائع کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا منسلک کتاب کا مہینگا ہوتا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ کتاب اتنی سستی کر دی جائے کہ ایک طالب علم بھی خرید سکے، اس منسلک کے حل کے لیے ہمیں ڈسٹری یوٹرز اور بک میلرز کے منافع میں سے شرح منافع کم کرنا پڑی، اس عمل کے بعد ظاہر ہے ہم مارکیٹ کے مقابلے پر پورا نہیں اتر سکتے تھے لہذا فی الحال ہم نے مارکیٹ کو اس کی پالیسی کے مطابق چلنے دیا ہے اور ایک ریڈ کلب تشکیل دیا ہے تاکہ ہمارے ممبر زمک سے کم قیمت پر کتاب حاصل کر سکیں اور یوں ہم اپنے ممبر زمک 100 روپے میں فی کتاب دینے میں کامیاب ہو گئے، آج اللہ سائیں کا شکر ہے کہ ہمارے کلب کے ممبر زمک تعداد 300 کے قریب ہے۔

معزز قاری! کتاب دوستی کے جس مشن کو لے کر ہم چلے ہیں اس میں ہمیں آپ کا ساتھ چاہئے ہمارا ٹارگٹ 2000 ممبر زمک ہے جس کے بعد ہم لکھاری کو بھی رائٹی دینے کے قابل ہو جائیں گے جو کلی خدمت ہو گی، آپ سے گزارش ہے کہ اپنے قربی دوستوں کو بھی کتاب دوستی کے اس مشن میں شامل فرمائیں اور ان تک معیاری ادب پہنچانے کا باعث نہیں ان شاء اللہ ہم آپ کو ما یوں نہیں کریں گے وراق سے چھپنے والی ہر کتاب تاریخی چیزیں کی حامل ہو گی۔

راول جیمن